نام : سیر افغانستان
مؤلف : علامہ سید سلیمان ندوی
ناشر : مجلس نشریات اسلام ـ ۱/کے ـ ۳ ـ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ۱، کراچی ـ ۱۸
صفحات : ۱۴۲
قیمت : ۲۹ روپے

امان اللہ خان کے دور اقتدار کی کشمکش اور بچۂ سقہ کے زمانۂ اضطراب کے بعد نادرشاہ افغانستان کا حکمران بنا ـ وہ نہ تو امان اللہ خان کی مانند جدیدیت کا دلدادہ تھا کہ صدیوں سے راسخ معاشرتی روایات کو بزور بدل دینے کی خواہش رکھتا اور نہ بچۂ سقہ کی طرح بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں سے بے خبر تھا ـ وہ اپنے قدامت پسند معاشرے کی بتدریج اصلاح کا خواہش مند تھا اور اس سلسلے میں ملک کا نظام تعلیم اس کی توجہ کا مرکز تھا ـ

نادرشاہ افغانستان کی بادشاہت پر متمکن ہونے سے پہلے لاہور میں مقیم رہا تھا اور روایات کے مطابق قیام لاہور کے دوران میں علامہ محمد اقبال اور اس کے درمیان باقاعدہ رابطہ تھا ـ چنانچہ جب نادرشاہ نے تعلیمی اصلاحات کے سلسلے میں سوچ بچار شروع کی تو علامہ محمد اقبال اور ان کے توسط سے علامہ سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود کو کابل آنے کی دعوت دی ـ علامہ محمد اقبال خود تعلیم و تعلّم سے وابستہ رہے تھے اور جرمنی و انگلستان کے نظامہائے تعلیم کا براہ راست تجربہ رکھتے تھے ـ علامہ سید سلیمان ندوی ندوۃ العلماء کی تعلیمی تحریک کے سرگرم کارکنوں میں سے تھے اور سر راس مسعود مسلم برصغیر میں جدید تعلیم کے سرخیل سرسید احمد خان کے صرف پوتے ھی نہ تھے بلکہ خود مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سے بحیثیت وائس چانسلر وابستہ تھے اور جاپان کے نظام تعلیم پر ایک وقیع کتاب کے مصنف بھی ۔ مسلم پس منظر میں مسئلۂ تعلیم کے حوالے سے شاید ان حضرات پر مشتمل کمیٹی سے بہتر کسی دوسری کمیٹی کا اس وقت امکان نہیں تھا ۔

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں یہ تینوں حضرات افغانستان تشریف لے گئے اور تعلیمی معاملات میں افغان کارپردازوں کے ساتھ مشاورتی مجالس میں شریک رہے ۔ اس کے علاوہ ادبی مجالس اور سماجی تقریبات میں شریک ہوئے اور بقدر ذوق افغانستان کے شہروں ، آثار قدیمہ اور افراد کا مطالعہ کیا ۔ اس سفر کی یادگاروں میں علامہ محمد اقبال کی مثنوی مسافر اور علامہ سید سلیمان ندوی کا زیر نظر سفرنامہ، ,,سیر افغانستان ،، بالخصوص قابل ذکر ہیں ۔

علامہ سید سلیمان ندوی براستہ پشاور جلال آباد سے ہوتے ہوئے کابل گئے تھے ۔ جاتے ہوئے وہ اکیلے تھے.مگر واپسی پر علامہ محمد اقبال ان کے ہمراہ رہے اور غزنی و قندھار سے گزر کر براستہ چمن حدود برصغیر میں داخل ہوئے تھے ۔ سید صاحب نے اپنی یادداشتوں کی مدد سے سفر کے تقریباً ایک سال بعد سفرنامہ مکمل کیا جو پہلی بار ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) میں مئی تا نومبر ۱۹۳۴ء کی اشاعتوں میں بالاقساط شائع ہوا ۔ یہی اقساط سید صاحب کے شاگرد مولانا عبدالقدوس ہاشمی کی نظر سے گزریں تو انہوں نے اپنے پیش لفظ کے ساتھ ۱۹۴۵ء میں حیدرآباد (دکن) سے بصورت کتاب شائع کر دیں ۔ اسی ۱۹۴۵ء کی اشاعت پر مبنی ایڈیشن مجلس نشریات اسلام نے شائع کیا ہے ۔

مسئلۂ تعلیم کے حوالے سے مسلم برصغیر کے تین دماغوں ۔ علامہ محمد اقبال، سرراس مسعود اور سید سلیمان ندوی ۔ نے افغان

حکمرانوں کو کیا مشورے دیئے اور ان پر کس قدر عمل ہوا ۔ اس بارے میں کوئی مبسوط معلومات دستیاب نہیں ہیں البتہ سید صاحب کے زیر نظر سفرنامہ سے کچھ روشنی پڑتی ہے۔ افغانستان کا نظام تعلیم بھی جدید و قدیم میں منقسم تھا ۔ دینی مدارس کے پہلو بہ پہلو سیکولرزم کے فلسفے پر مبنی جدید ادارے کام کر رہے تھے ۔ دینی مدارس کا کیا حال تھا ؟ سید صاحب اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ :

،میں نے یہاں کے عربی مدرسہ کے دیکھنے کی خواہش کی جس کا نام دارالعلوم ہے ... سب سے پہلے جس جماعت میں پہنچا اس میں مشکوۃ کا درس ہو رہا تھا ۔ یہاں سے اٹھ کر اوپر کی منزل میں گیا وہاں ھدایہ کا درس جاری تھا ... اس کے مقابل میں دوسرے کمرے میں ہیئت قدیم میں شرح چغمنی ہو رہی تھی سبق ختم ہوا تو مولانا نے خوش اخلاقی کے ساتھ مصافحہ کیا اور گفتگو کی اتنی نرمی پاکر میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو آسمان ھی سرے سے مسلّم نہیں اور آپ تو آسمانوں کی ترتیب پر استدلال فرما رہے ھیں ، فرمایا کہ کیا کیا جائے یہاں جب تک ان علوم کو نہ پڑھیں ھم کو ملاّ ھی نہیں تسلیم کیا جاتا ۔ (ص ٦٧ ۔ ٦٨)

یہ تو قدیم مدارس کا حال تھا ۔ جدید مدارس جو کابل میں کام کر رہے تھے ۔ ان میں سے ایک میں جرمن، دوسرے میں فرانسیسی اور تیسرے میں انگریزی زبان ذریعۂ تعلیم تھی ۔ سید صاحب لکھتے ہیں :

اُس نظام تعلیم نے ملک میں بے حد ابتری پیدا کر دی ہے۔ ایک ایک افغان بچہ کی تعلیم اور یورپ کی آمدورفت اور قیام اور تعلیم پر جو صرف آتا ہے اس سے افغانستان میں ایک چھوٹا موٹا مدرسہ چل سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ملک کے اندر تین مستقل غیر

ملکی زبانیں، غیر ملکی معاشرتیں، غیر ملکی سیاستیں اور غیر ملکی ذہنیتیں جڑ پکڑ رہی ہیں .... ، (ص ۱۷) .

سید صاحب تاریخ وسیر کے آدمی تھے ۔,,سیر افغانستان،، میں جگہ جگہ تاریخ سے ان کی گہری دلچسپی کا نقش ابھرتا ہے۔غزنی ، قندھار اور بیہق کے ذکر میں تاریخ و تذکرۃ کے حوالے سے چلتے چلتے کام کی باتیں آگئی ہیں ۔ اسی طرح سید صاحب کے دینی خیالات کی جھلک بھی ملتی ہے۔ تورخم سے گزر کر افغانستان میں داخل ہوئے تو شام کا وقت تھا ۔

,, پٹھان مسافر مرد و عورت، بچے اور بوڑھے آ جا رہے تھے ۔ اونٹ ، گدھے، گائے، بیل، بھیڑیں، چراگاہوں سے واپس آ رہی تھیں ... دیہاتی پٹھان خواتین سر سے پاؤں تک سیاہ کپڑوں میں مستور کھلے منہ بڑی آزادی سے آ جا رہی تھیں ۔ بدن پر گھٹنوں تک سیاہ کرتے، پاؤں میں بڑے گھیر کی عموماً سیاہ شلواریں، سر سے پاؤں تک سیاہ چادریں، ہر قسم کے زیور اور ظاہری آرائش سے تمام تر پاک ۔ ان کو دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ شاید اصل سادہ اسلامی پردہ یہی ہوگا ۔ ،،

سید صاحب اپنے استاد علامہ شبلی نعمانی کے مخلص پیروکار تھے ۔ علامہ شبلی نے ,سفرنامۂ ارض روم و مصر و شام، میں وہاں کے آثار قدیمہ ، کتب خانوں ، مطابع ، مدارس، مساجد اور اہم اشخاص کا ذکر کیا ہے ۔ سیر افغانستان میں بھی یہ روش ملتی ہے ۔ ,سیر، افغانستان، کو تالیف ہوئے نصف صدی سے زائد عرصہ گزر گیا ہے مگر معلومات میں آج بھی تازگی محسوس ہوتی ہے ۔ اس کا جہاں ایک سبب یہ ہے کہ قدامت پسند معاشروں میں تبدیلی بہت آہستہ آتی ہے وہیں سید صاحب کے ذوق انتخاب اور تاریخ سے ان کی دلچسپی کا

بھی حصہ ہے کہ جہاں سے گزرے ، تاریخ کے اوراق پلٹ دیئے اور پھر معاشرتی وسیاسی پس منظر میں توجیہ بھی کرتے گئے ۔

مجلس نشریات اسلام کے مولانا فضل ربّی شکریے کے مستحق ھیں کہ انہوں نے یہ عمدہ کتاب شائع کی ہے مگر ایک بات ان کے کان میں کہنے کی ہے کہ کتابت و طباعت کی ان گنت غلطیاں دلچسپ سے دلچسپ کتاب کا مزہ بھی پھیکا کر دیتی ھیں ۔ ,سیر افغانستان، کے زیرنظر ایڈیشن کے کاتب کو افراد اور جگھوں کے ناموں سے تو بالخصوص چڑ رھی ہے کہ ابن جبیر کو ابن حبیب بنا دیا ۔ خوگیانی ، فوگیانی ھو گیا ۔ سنائی کو نسائی لکھ دیا اور جنوبی ھند کے قصبے منماڑ کو منمانڈ کتابت کیا ۔ کتاب کی قیمت مناسب اور گردپوش جاذب نظر ہے ۔

(اختر راھی)

❖❖❖